ایمان کا چھٹار کن: تقدیر پر ایمان ایمان کا چھٹار کن (و بالقدر خیرہ وشرہ) تقدیر پر ایمان لانا ہے، خواہ وہ خیر ہو یا شر۔ قرآنِ حکیم سے بہت سی آیات ،اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث تقدیر کے اثبات پر دال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ] [1] ترجمہ: بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کیا ہے۔ [قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا] [2] ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! ہمیں ہر گز کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ [مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ] [3] ترجمہ: نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو امام بخاری اور امام مسلم (رحمھما اللہ) دونوں نے اپنی اپنی کتاب میں تقدیر کا مستقل باب قائم کیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم (۲۶۶۴) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (المؤمن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر احرص علی ماینفعک واستعن ب اللہ ولاتعجز وان اصابک شئ فلا تقل : لو أنی فعلت کذا کان کذا وکذا ، ولکن قل: قدر اللہ وماشاء فعل ، فان لو تفتح عمل الشیطان) ترجمہ: طاقت ور مؤمن، اللہ تعالیٰ کو کمزور مؤمن سے زیادہ بھلا اور محبوب ہے، ویسے دونوں میں بھلائی اور بہتری ہے۔ تم اپنے لئے ہر نفع بخش چیز کی حرص اور تمنا رکھو اور اس کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو، اور عاجز نہ بنو۔ اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو یوں مت کہو کہ اگر میں اس طرح کر لیتا تو اس طرح ہو جاتا۔ بلکہ یوں کہو: اللہ تعالیٰ کا یہی منظور و مقدور تھا، اور جو کچھ اس نے چاہا وہی کیا۔ "لو" یعنی اگر اگر کہنا شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں (۲۶۵۵) اپنی سند سے طاؤس (تابعی) کے حوالے سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ کو یہ کہتے ہوئے پایا: ہر چیز تقدیر کے ساتھ ہے۔ مزید فرماتے ہیں: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا: وہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [کل شئ بقدر حتی العجز والکیس] یعنی ہر چیز حتی کہ عجز اور کیس بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ ہے۔ عجز اور کیس آپس میں دو متضاد لفظ ہیں، کیس سے مراد عقلمندی، ہوشیاری اور محنت وغیرہ، اور عجز سے مراد عاجزی، سستی اور کاہلی ہے۔ یہ سب تقدیر کے ساتھ مربوط و منسلک ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عاجز کا عجز و ضعف اور کیس یعنی دانا کی دانائی اور عقلمندی سب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث ہے: (ما منکم من أحد وقد کتب مقعد ہ من الجنۃ ومقعدہ من النار فقالوا:یارسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم افلانتکل؟ فقال:اعملوا فکل میسر ،ثم قرأ:[فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی۝وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی۝وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی۝10][1] ترجمہ: تم میں سے ہر شخص کا جنت یا جہنم کا ٹھکانہ لکھا جا چکا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ نہ کرلیں؟(اور عمل چھوڑدیں)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل کرو، کیونکہ انسان کا جوٹھکانہ لکھا گیا ہے اس کیلئے اسکے عمل میں آسانی پیدا کردی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی: ترجمہ: "جس نے دیا(اللہ کی راہ میں)اور ڈرا(اپنے رب سے)۔اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا۔تو ہم بھی اس کو آسان راستے کی سہولت دینگے لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی۔اور نیک بات کی تکذیب کی۔تو ہم بھی اس کی تنگی ومشکل کا سامان میسر کردینگے۔[2]اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندوں کا نیک اعمال کرنا تقدیر میں لکھا جاچکا ہے،اور یہ بھی کے وہ نیک اعمال حصولِ سعادت کا سبب ہیں اور سعادت کا حصول بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔اس طرح بعض بندوں کا بُرے اعمال کاارتکاب کرنا بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے،اور وہ بُرے اعمال، حصولِ شقاوت (بدبختی) کا سبب ہیں ،نیز شقاوت کا حصول بھی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسباب اور انکے مسببات ، تمام چیزیں مقدر فرمادی ہیں۔لہذا کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے فیصلہ، تقدیر، خلق اور ایجاد سے باہر نہیں ہے۔

کوئی چیز تقدیر سے باہر نہیں(ایک عظیم حدیث)

وعن عبداللہ بن عباس رضی للہ عنھما قال کنت خلف رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال:(یاغلام ! إنی اعلمک کلمات :احفظ للہ یحفظک ،احفظ للہ تجدہ تجاھک، اذا سألت فاسأل للہ واذا استعنت فاستعن ب اللہ ، واعلم ان الامۃ لواجتمعت علی ان ینفعوک بشئ لم ینفعوک الابشئ قد کتبہ للہ لک ولو اجتمعوا علی ان یضروک بشئ لم یضروک الابشئ قد کتبہ للہ علیک، رفعت الاقلام وجفت الصحف)ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،فرماتے ہیں:ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا،آپ نے فرمایا:اے لڑکے! میں تجھے چند اہم امور کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ تعالیٰ کے حدود وفرائض کی حفاظت کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔تم اللہ تعالیٰ کی حدود وفرائض کی حفاظت کرو،ہمیشہ اسے اپنے سامنے پاؤگے۔جب بھی

مانگو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور جب بھی مدد طلب کرو صرف اللہ تعالیٰ سے کرو، اور اچھی طرح جان لو! اگر پوری امت تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے نفع کے علاوہ کوئی نفع نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر پوری امت تمہیں نقصان پہچانے کے درپے ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے نقصان کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتی۔ (تقدیر لکھنے والی) قلمیں اٹھالی گئی ہیں اور صحیفے (جن پر تقدیر لکھی گئی ہے) خشک ہو چکے ہیں۔ اس حدیث کی حافظ ابن رجب نے اپنی کتاب "جامع العلوم الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم" (۴۵۹/۱) میں بڑی نفیس شرح فرمائی ہے۔ الاربعون النوویۃ کی یہ حدیث نمبر ۱۹ ہے۔

مراتبِ قدر: علم، کتابت، ارادہ اور خلق وایجاد

واضح ہو کہ تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب ہیں، ان چاروں مراتب کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ ☆ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہونے والا ہے، سب کا اللہ تعالیٰ کو ازلی علم حاصل ہے، اور یہ بات ناممکن ہے کہ کسی چیز کا اللہ تعالیٰ کو ازلی علم حاصل نہ ہو بلکہ بعد میں علم ہوا ہو۔ ☆ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: (كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق لله السموات والارض بخمسين الف سنة قال :وعرشه على الماء) [1] ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تمام خلائق کی تقدیر لکھ دیں۔ فرمایا: اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ ☆ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیئت پر ایمان لایا جائے۔ یعنی اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہو رہا ہے، اور چونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی ملک میں وہی کچھ ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالے۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی کچھ ہو گا، اور جو کچھ نہیں چاہے گا وہ ہرگز نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ] [2] ترجمہ: وہ جب کبھی کسی چیز کا اردہ کرتا ہے اسے اتنا فرمادینا (کافی) ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔

نیز فرمایا: [وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۲۹] [1] ترجمہ: اور تم بغیر پروردگارِ عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ ☆ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہے یا ہونے والا ہے سب اللہ تعالیٰ کی خلق وایجاد ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے اس علمِ سابق (ازلی علم) کے مطابق عمل میں آتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا، لہذا ہر ہر ذات، اور ہر ہر

فعل صرف اللہ تعالیٰ کی خلق وایجاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ] [2] ترجمہ: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ نیز فرمایا: [وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ] [3] ترجمہ: حالانکہ تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔

ایمان بالقدر کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تقدیر ہیں جو فیصلے فرمادیئے اور انہیں لوحِ محفوظ میں تحریر فرمادیا وہ سب کا سب علمِ غیب ہے، جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ مخلوق کو تقدیر کے فیصلوں کا علم درج ذیل دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ ہو سکتا ہے: (۱) کسی چیز یا کام کے رونما ہونے سے۔ چنانچہ جب بھی کوئی چیز رونما ہو گی معلوم ہو جائے گا کہ یہی امرِ مقدور ہے، کیونکہ اگر یہ امرِ مقدور نہ ہوتی تو ہر گز رونما نہ ہوتی ، کیونکہ جو اللہ چاہتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے، اور جس چیز کا ہونا اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ ہر گز نہیں ہو سکتی۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں رونما ہونے والے کسی واقعہ یا امر کی خبر دے دیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہورِ دجال، خروجِ یأجوج ومأجوج اور نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی خبر دی۔ اس کے علاوہ اور بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے امور کی خبر دی جو آخری دور میں ظاہر ہونگے۔ ان تمام امور وواقعات کی خبر چونکہ الصادق المصدوق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، لہذا ان کا حاصل ہونا لازمی ہے۔ اور چونکہ ان تمام امور کا رونما ہونا ایک طے شدہ حقیقت ہے لہذا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور قضاء وقدر کے عین مطابق ہے۔ (لہذا ہمارا یہ ایمان ہے کہ قربِ قیامت رونما ہونے والے یہ تمام واقعات برحق ہیں کیونکہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہیں۔ نیز یہ کہ ان تمام امور وواقعات کا اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے فیصلہ فرما کر تقدیر میں لکھ دیا تھا) ہم مزید ایک مثال سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے واقعہ کی خبر دی جس کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بالکل قریب تھا، چنانچہ ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لوگوں کو دیکھتے اور کبھی حسن کو، پھر فرمایا: (ابنی ھذا سید ولعل للہ یصلح بہ بین فئتین من المسلمین)[1] یعنی میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے بیچ صلح کرائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خبر ۴۱ھ میں حرف بحرف پوری ہوئی، چنانچہ اس سال مسلمانوں کی جمعیت متحد اور مجتمع ہو گئی، حتی کہ اس سال کو "عام الجماعۃ" کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے یہ نکتہ اخذ کر لیا

کہ حسن رضی اللہ عنہ بچپن میں فوت نہیں ہونگے بلکہ اتنی دیر تک ضرور زندہ رہینگے کہ صلح کے تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی وہ پوری ہوجائے،اور کیونکہ یہ سب کچھ رونما ہوا لہذا یہی امرِ مقدور تھا۔ جس کا صحابہ کرام کو قبل از وقوع (بوجہ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) علم ہوگیا۔

اس عالم ہستی میں جو بھی خیر وشر ہے سب اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہے

قولہ:" والایمان بالقدر خیرہ وشرہ حلوہ ومرہ، وکل ذلک قد قدر للہ ربنا"" یعنی اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی ہر تقدیر پر ایمان لانا (فرض) ہے، اور یہ کہ ان تمام چیزوں کو ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے" تقدیر کے حوالے سے یہ مسئلہ حدیثِ جبریل میں مذکور ہے: (وان تؤمن بالقدر خیرہ وشرہ) یعنی: تم تقدیر پر ایمان لاؤ خواہ وہ خیر ہو یا شر۔ ہر چیز کا خالق اور مقدِر، اللہ رب العزت ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: [اَللّٰہُ خَالِقُ کلِ شَيْءٍ۰ۡ][1] ترجمہ: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ تو اس عالمِ ہستی میں جو بھی خیر وشر ہے، سب اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر، اور مشیئت وارادہ سے ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

(یہاں ایک اشکال وارد کیا جاسکتا ہے کہ) جنابِ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل دعا مذکور ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: (والخیر کلہ فی یدیک والشر لیس إلیک)[1] یعنی: اے اللہ! تمام کی تمام خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے، جبکہ شر تیری طرف نہیں ہے۔ (تو حدیث بظاہر حدیثِ جبریل کے مضمون کے متعارض ہے، جس میں خیر وشر کا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہونے کا ذکر ہے) (ہم عرض کرتے ہیں کہ) حدیثِ علی رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "شر تیری طرف نہیں ہے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شر اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے واقع نہیں ہوتا، اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شر کو محض برائے شر پیدا نہیں فرمایا کہ وہ کسی حکمت سے خالی ہو، یا اس میں کسی وجہ سے کسی قسم کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہوتا ہو۔ دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شر کو علی وجہ الاستقلال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا جائے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات ومقدرات کے عموم کے ضمن میں شامل تصور کیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: [اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ][2] یعنی: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ (تو اس کے عموم میں خیر بھی شامل ہے اور شر بھی) اسی طرح اللہ تعالیٰ

کا فرمان: [اِنَّا كُلَّ شَيۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ][3] ترجمہ: ہم نے ہر شئ ایک معین مقدار سے پیدا فرمائی۔(یہاں بھی (ہر شئ) کے عموم میں خیر وشر دونوں کو داخلِ تصور کیا جائے گا)

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ادب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں جنوں کی گفتگو ذکر فرمائی، وہ گفتگو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ادب کی بہترین مثال ہے، چنانچہ انہوں نے خیر کی نسبت بصیغہ معروف اللہ تعالیٰ کی طرف کی لیکن شر کا ذکر بصیغہ مجہول کیا۔ ملاحظہ ہو: [وَّاَنَّا لَا نَدۡرِيۡۤ اَشَرٌّ اُرِيۡدَ بِمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا][1] ترجمہ: ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے۔

لفظِ ارادہ معنیٔ کونی وقدری کے ساتھ ساتھ معنیٔ دینی وشرعی دونوں کیلئے مستعمل ہے

تقدیر کے چار مراتب، جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر ہوا، میں ایک مرتبہ یہ تھا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیئت وارادہ سے ہے۔ مشیئت وارادہ میں فرق یہ ہے کہ لفظِ مشیئت قرآن وحدیث میں صرف معنیٔ کونی وقدری کیلئے وارد ہوا ہے، جبکہ لفظِ ارادہ معنیٔ کونی وقدری کے ساتھ ساتھ معنیٔ دینی وشرعی دونوں کیلئے مستعمل ہے۔ چنانچہ ارادہ کے معنیٔ کونی وقدری کیلئے استعمال ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: [وَلَا يَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِيۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَكُمۡ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يُّغۡوِيَكُمۡ][2] ترجمہ: تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں، اگر اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: [فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا][1] ترجمہ: سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے۔ (ان آیات میں اغواء وتضلیل کا ارادہ، ارادۂ کونی وقدری ہے) لفظِ ارادہ کے دینی وشرعی معنی میں وارد ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: [يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ][2] ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں۔ [مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ][3] ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا ہے اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

ارادۂ کونی اور ارادۂ شرعی میں فرق

ارادۂ کونی وقدری اور ارادئہ دینی وشرعی کے درمیان فرق یہ ہے کہ ارادۂ کونیہ عام ہے اور ہر قسم کے امر کیلئے وارد ہوتا ہے، خواہ وہ امر اللہ تعالیٰ کی رضاء اور محبت کو موجب ہو یا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کو موجب ہو، جبکہ ارادئہ شرعیہ صرف اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ امور کیلئے مختص ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ارادۂ کونیہ کا واقع اور رونما ہونا ضروری ہے، جبکہ ارادۂ شرعیہ اس شخص کے حق میں حاصل ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کی توفیق میسر ہو ،اوراس شخص کو حاصل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو۔ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو کونی اور شرعی دونوں معنی دیتے ہیں، مثلاً: القضاء، التحریم، الاذن، الامر، الکلمات وغیرہ۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی مایۂ ناز تألیف ''شفاء العلیل'' کے (۲۹) ویں باب میں ان الفاظ کیلئے قرآن وحدیث سے بہت سی مثالیں ذکر فرمائی ہیں۔

لوح محفوظ کا لکھا ہوا بلا تغیر و تبدل رونما ہو کر رہے گا

اللہ تعالیٰ نے جن امور کے فیصلے فرمالئے اور انہیں لوحِ محفوظ میں لکھ دیا وہ بلا تغیر و تبدل رونما ہو کر رہیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: [مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ][1] ترجمہ: نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگراس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (رفعت الاقلام وجفت الصحف) یعنی تقدیر لکھ کر قلم اٹھالئے گئے اور صحیفے خشک ہیں۔ (لہذا وہی کچھ ہوگا جو قلموں نے صحیفوں پر لکھ دیا ہے)

(لیکن درج ذیل آیت اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے تبدیل بھی فرمالیتا ہے) ملاحظہ ہو: [يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ][1] ترجمہ: اللہ جو چاہے مٹادے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے۔

آیتِ کریمہ [يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ] کا معنی

لیکن اس آیت کو مفسرین نے شرعی امور سے متعلق قرار دیا ہے، یعنی (اللہ تعالیٰ جس نے ہر نبی پر شرعی احکام نازل فرمائے، اسے پورا اختیار ہے کہ)جس حکم کو چاہے منسوخ فرمادے، اور جسے چاہے برقرار رکھے، اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور بالآخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اختتام پذیر ہوا جس نے سابقہ تمام شرائع کو منسوخ کر دیا۔ کچھ مفسرین نے اس سے مراد وہ اقدار لی ہیں جو لوحِ محفوظ میں نہیں ہیں جیسا کہ بعض امور ملائکہ کو تفویض کئے گئے ہیں۔ تفصیل کیلئے حافظ ابن القیم کی کتاب ''شفاء العلیل'' باب ۵، ۴، ۳، ۲ اور ۶ ملاحظہ ہو۔ حافظ ابن القیم نے ان ابواب میں سے ہر باب میں لوحِ محفوظ کی تقدیر کے بعد خاص تقدیر کا ذکر کیا ہے۔

ایک حدیث (دعاء تقدیر کو بدل دیتی ہے۔۔۔) کی وضاحت

یہاں ایک حدیث کی وضاحت بھی ضروری ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بسند حسن روایت کیا ہے (۲۱۳۹)، شیخ البانی کی ''السلسلۃ الصحیحۃ'' (۱۵۴) میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لا یرد القضاء إلا الدعاء، ولا یزید فی العمر الا البر) یعنی: قضاء کو صرف دعا ٹال سکتی ہے، جبکہ صرف نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف (لا یرد القضاء إلا الدعاء) کا معنی

اس حدیث کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ دعا لوحِ محفوظ کے فیصلے کو بدل ڈالتی ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کی برکت سے اس شر سے جو تقدیر میں چلتا آرہا تھا سلامتی عطا فرمادی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شر سے سلامتی مقدر فرمادی اور سلامتی کے اسباب بھی مقدر فرمادیئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے سے وہ شر جو اس کی تقدیر میں مسلسل چلا آرہا تھا ٹال دیا، ایک ایسے سبب کے عوض جو بندے سے ظاہر ہوگا اور وہ دعا ہے، چنانچہ بندے کا دعا کرنا اور اسے سلامتی کا حاصل ہو جانا بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندے کی عمر کا لمبا ہونا تقدیر میں لکھا ہوا ہے اور اس لمبی عمر کا راز بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے، جو کہ نیکی اور صلہ رحمی سے عبارت ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام اسباب اور ان کے نتائج و مسببات اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہیں۔ یہی معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا جائے گا: (من سرہ أن یبسط لہ فی رزقہ أو ینسأ لہ فی أثرہ فلیصل رحمہ)[1] یعنی جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی، اور عمر میں طوالت و برکت عطا فرمادی جائے وہ اپنے رشتے داروں سے جوڑ کر رکھے۔ بہر حال ہر انسان کی اجل (موت کا وقت) لوحِ محفوظ میں ایک امرِ مقدر ہے، جو نہ آگے ہو سکتا ہے نہ پیچھے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: [وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهَا][2] ترجمہ: اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ نیز فرمایا:

[لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ][1] ترجمہ: ہر امت کیلئے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔ جو بھی انسان مرتا ہے یا قتل ہوتا ہے، معتزلہ کا یہ قول کہ "جو انسان قتل ہوتا ہے اس کی طبعی عمر کٹ جاتی ہے، اور اگر وہ قتل نہ کیا جاتا تو دوسری اجل یعنی لمبی عمر جیتا" باطل ہے، ہر انسان کیلئے ایک ہی اجل مقدر ہے، البتہ موت کے اسباب مختلف ہیں اور وہ بھی سب کے سب مقدر ہیں، چنانچہ کچھ لوگوں کا مرض کے نتیجہ میں، کچھ کا ڈوب کر، اور کچھ کا قتل ہو کر مرنا مقدر ہوتا ہے (بہر حال سب کی اجل ایک ہی ہے البتہ اسبابِ اجل مختلف ہیں)

گناہ کے کاموں پر تقدیر سے حجت پکڑنا جائز نہیں

کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے چھوڑنے یا اللہ تعالیٰ کے کسی حرام امر کے ارتکاب کرنے کے سلسلے میں تقدیر کو بطور دلیل وحجت پیش کرے (مثلاً یوں کہے کہ میں نماز نہیں پڑھتا تقدیر میں یونہی لکھا ہوا ہے، یا میں شراب پیتا ہوں تو تقدیر میں یونہی لکھا ہوا ہے) اگر کوئی شخص کسی ایسی معصیت کا ارتکاب کرے جس پر شرعی حد نافذ ہوتی ہے، اور وہ اپنی اس معصیت کا بہانہ یا عذر تقدیر کو قرار دے اور کہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا، تو اس شخص پر شرعی حد نافذ کر کے اسے آگاہ کر دیا جائیگا کہ یہ حد اور سزا بھی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔

حدیث "احتجاجِ آدم علی موسیٰ" کی توضیح

اب یہاں ایک حدیث کی وضاحت ضروری ہے جس میں آدم وموسی علیہما السلام کا ایک جھگڑا مذکور ہے، چنانچہ صحیح بخاری (۳۴۰۹) اور صحیح مسلم (۲۶۵۲) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (احتج آدم وموسی، فقال لہ موسی: أنت آدم الذی أخرجتک خطیئتک من الجنۃ، فقال لہ آدم: أنت موسی الذی اصطفاک اللہ برسالاتہ، وبکلامہ، ثم تلومنی علی أمر قدر علی قبل أن أخلق؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحج آدم موسی، مرتین) ترجمہ: آدم اور موسی علیہما السلام کے مابین ایک جھگڑا ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ آدم ہیں جنہیں آپ کے گناہ نے جنت سے نکلوادیا، آدم علیہ السلام نے فرمایا: تم موسیٰ ہو، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام سے مشرف فرمایا، تم مجھے ایسے مسئلہ میں ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش سے بھی قبل میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا: آدم علیہ السلام، موسی علیہ السلام پر غالب آگئے۔

حدیث احتجاجِ آدم علی موسیٰ کا مفہوم

واضح ہو کہ اس حدیث میں آدم علیہ السلام نے فعلِ معصیت پر تقدیر کو بطورِ حجت پیش نہیں کیا، بلکہ معصیت کے نتیجے میں نازل ہونے والی مصیبت پر تقدیر کو بطورِ حجت پیش کیا۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''شفاء العلیل'' کا تیسرا باب اس حدیث پر بحث کرنے کیلئے قائم فرمایا، اس باب میں پہلے تو انہوں نے اس حدیث کی تشریح کے حوالے سے لوگوں کے غلط اقوال کا تذکرہ کیا، پھر قرآن حکیم کی وہ آیات نقل فرمائیں جن میں مشرکین کا اپنے شرک کے ارتکاب کرنے پر تقدیر میں لکھے ہوئے کو بطور بہانہ یا حجت پیش کرنے کا ذکر ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس حجت کو پیش کرنے پر انہیں جھوٹا قرار دیا؛ کیونکہ وہ اپنے شرک اور کفر پر قائم و مصر رہتے ہوئے تقدیر میں لکھے ہوئے کا عذر پیش کر رہے ہیں۔ یہ بات تو درست ہے کہ ان کا مبتلائے شرک ہونا تقدیر میں لکھا ہوا ہے، مگر ان کا اسے اپنے شرک کی صحت پر محمول کرنا ایک امرِ باطل ہے، لہٰذا ان کا قول حق ہے، مراد باطل ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے حدیثِ مذکور (آدم و موسیٰ کا مناظرہ) کا معنی بیان کرتے ہوئے دو توجیہیں نقل فرمائیں، پہلی توجیہ اپنے شیخ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے، اور دوسری توجیہ اپنے فہم اور استنباط سے پیش فرمائی۔ چنانچہ (ص ۳۵ تا ۳۶) میں فرماتے ہیں: ''جب آپ نے یہ بات پہچان لی، تو پھر واضح ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کی جو معرفت حاصل ہے اس کے پیشِ نظر ان کا مقام اس بات سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی کو کسی ایسے گناہ پر ملامت کریں جس سے وہ توبہ کر چکا ہے بلکہ توبہ قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بھی دی اور اپنا چنا ہوا بندہ بھی قرار دے دیا، اور آدم کو جو اپنے پروردگار کی معرفت حاصل تھی اس کے پیشِ نظر ان کا مقام اس سے کہیں اونچا ہے کہ وہ اپنی معصیت کیلئے تقدیر میں لکھے ہوئے کو بطورِ حجت پیش کریں، بلکہ اصل معاملہ یوں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو معصیت پر نہیں اس مصیبت پر ملامت فرمائی جس کا جنت سے نکلنے اور فتنوں اور آزمائشوں کے گھر میں آنے کی وجہ سے ان کی پوری اولاد کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس لئے ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: (أخرجتنا ونفسک من الجنۃ) یعنی آپ نے اپنے آپ کو اور ہم سب کو جنت سے نکلوا دیا، اور ایک حدیث میں (خیبتنا) کا لفظ بھی مروی ہے، یعنی آپ نے ہمیں نامراد بنا دیا، اس کے جواب میں آدم علیہ السلام نے ان پر اور ان کی پوری ذریت پر نازل ہونے والی اس مصیبت پر تقدیر میں لکھے ہوئے کو بطورِ حجت پیش فرمایا، اور فرمایا: یہ مصیبت جو میری غلطی کے بسبب میری اولاد کو حاصل ہوئی، یہ میری پیدائش سے بھی قبل تقدیر میں لکھی جا چکی تھی، تقدیر میں لکھے ہوئے کو مصیبتوں میں بطورِ حجت پیش کیا جاتا ہے، عیبوں اور گناہوں میں نہیں، لہٰذا آدم علیہ السلام کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم مجھے اس مصیبت پر ملامت کیوں کر رہے ہو جو مجھ پر اور میری اولاد پر میری پیدائش سے بھی ہزاروں سال قبل لکھ دی گئی تھی۔ یہ ہمارے شیخ کا جواب ہے، جبکہ ہمیں اس کا ایک دوسرا جواب بھی دکھائی دے رہا

ہے اور وہ یہ ہے کہ گناہ پر تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطورِ حجت پیش کرنا ایک مقام پر درست اور نافع ہے، اور ایک مقام پر غلط اور نقصان دہ ہے، نافع اس وقت ہے جب بندے سے گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اس پر توبہ کر لے اور پھر کبھی اس گناہ کی طرف جھانک کر بھی نہ دیکھے، جیسا کہ آدم علیہ السلام نے کیا، تو اس صورت میں اپنے گناہ کو نوشتۂ تقدیر قرار دینا عینِ توحید بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت کی علامت بھی۔ دریں صورت تقدیر کا ذکر، ذکر کرنے والے اور سننے والے دونوں کو فائدہ دے گا؛ کیونکہ تقدیر کے ذکر سے نہ تو وہ کسی امر یا نہی کو ٹال سکتا ہے نہ ہی شریعت کو باطل کر سکتا ہے، اس سے تو توحید کی اساس پر محض حق کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے، نیز یہ کہ بندہ یہ اقرار کرتا ہے کہ نیکی کرنے یا برائی کے چھوڑنے کی مجھ میں کوئی طاقت نہیں (یہ تو محض اللہ کی توفیق ہی سے ممکن ہے) (یہ بات تھوڑی سی دقیق ہے) لہذا ہم آدم علیہ السلام کے واقعہ سے کچھ توضیح کرتے ہیں: آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: تم مجھے میرے ایک ایسے گناہ کہ جو میری پیدائش سے قبل ہی تقدیر میں لکھا جا چکا تھا کے ارتکاب پر ملامت کر رہے ہو؟ چنانچہ جب انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، پھر وہ توبہ کر لے اور اس کا گناہ اس طرح دُھل جائے کہ گویا سرزد ہی نہیں ہوا تھا، اس کے بعد کوئی شخص اسے اس گناہ کے ارتکاب پر ملامت کرے تو دریں صورت اس کا تقدیر کے لکھے ہوئے کو محض حجت بنانا درست ہو گا، اب وہ یہ کہہ سکتا ہے گناہ کا یہ معاملہ میری تقدیر میں میری پیدائش سے قبل ہی لکھا جا چکا تھا۔ اب وہ تقدیر کے ذکر سے نہ تو حق کو ٹال رہا ہے، نہ ہی تقدیر میں لکھے ہوئے کو اپنے گناہ کے جواز کیلئے بطورِ دلیل پیش کر رہا ہے (کیونکہ وہ تو اپنے اس گناہ سے سچی توبہ کر چکا ہے) لہذا اب تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطورِ حجت پیش کرنے کا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ فائدہ ہے کیونکہ یہ اقرار عقیدہ توحید کی پختگی کی علامت ہے اور اپنے عجز وضعف کا اظہار بھی ہے کہ گناہ سے بچنا اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے) واضح ہو کہ گناہ پر تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطورِ حجت پیش کرنے کا جو نقصان دہ مقام ہے اس کا تعلق زمانۂ حال اور مستقبل سے ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ بندہ کسی حرام کام کا ارتکاب کرتا ہے، یا کسی فریضے کے ترک کا مرتکب ہوتا ہے (اور توبہ بھی نہیں کرتا) اب اسے کوئی ملامت کرتا ہے اور وہ اپنے اس گناہ کے ارتکاب بلکہ اصرار پر تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطورِ حجت پیش کرے (یعنی یوں کہے کہ تقدیر میں یونہی لکھا ہے کہ میں یہ گناہ کرتا ہوں یا کرتا ہونگا) تو یہ یقیناً نقصان دہ صورت ہے؛ کیونکہ اس طرح وہ تقدیر کی حجت کے ذریعے اپنے حق کو ترک کرنے، یا باطل کا ارتکاب کرنے کا جواز پیش کر رہا ہے۔ چنانچہ مشرکین نے اپنے عبادت لغیر اللہ اور شرک کے مسلسل اصرار پر نوشتۂ تقدیر ہی کو بطورِ حجت پیش کیا تھا، انہوں نے کہا تھا: [لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا] [1] یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم، نہ ہمارے آباء واجداد شرک کرتے۔ (ہم جو شرک کر رہے ہیں تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یونہی چاہتا ہے اور اس نے اسی طرح لکھا ہوا ہے) ایک اور مقام پر ان کا یہ قول مذکور ہے: [لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ] [2] یعنی: اگر رحمن چاہتا تو ہم ان بتوں کی پوجا نہ کرتے۔ لہذا وہ اپنے شرک کے جواز پر تقدیر کو بطورِ حجت پیش کر رہے ہیں، نہ تو انہیں اپنے شرک پر کوئی ندامت یا شرمندگی ہے۔، نہ اس شرک کو مستقبل میں چھوڑنے کا کوئی عزم یا ارادہ ہے اور

نہ ہی اس شرک کے باطل یا فاسد ہونے کا اقرار واعتراف ہے۔ گناہ پر تقدیر کو حجت ماننے کی یہ صورت، پہلی صورت سے بالکل برعکس ہے، کیونکہ پہلی صورت میں گناہ کا اقرار بھی ہے کہ اس کے ارتکاب پر ندامت بھی ہے اور اسے ہمیشہ چھوڑ دینے کا عزم بھی ہے لہذا دریں صورت اگر کوئی ملامت کرے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہوا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ارتکابِ معصیت کے بعد اس کی قباحت وملامت اگر (توبہ کے ذریعہ) ختم ہو جائے تو نوشتۂ تقدیر کو بطورِ حجت ذکر کرنا درست ہے اور اگر ارتکابِ معصیت کے بعد اس کی قباحت وملامت قائم ہے (اور بندہ نہ تائب ہے نہ نادم اور نہ اس کے ترک پہ عازم) تو تقدیر کے لکھے ہوئے کو بطورِ حجت پیش کرنا باطل ہے (کیونکہ یہ تو اس گناہ کا جواز پیش کرنے کے مترادف ہوگا)

فرقہ قدریہ پر رد

قولہ: ''تعالیٰ ان یکون فی ملکه مالا یرید، أو یکون لاحد عنه غنی، خالقا لکل شئ، ألا هو رب العباد ورب اعمالهم ،والمقدر لحرکاتهم وآجالهم'' ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ اسکی بادشاہت میں کوئی چیز اس کے ارادے کے بغیر یا برخلاف ہو، یا کوئی مخلوق اس سے مستغنی ہو، ہر شئی کا صرف وہی خالق ہے، تمام بندوں اور انکے تمام اعمال کا وہی رب ہے، اور انکی تمام حرکات وآجال کی تقدیر بنانے والا بھی وہی ہے۔

افعالِ عباد، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور یہ بندوں کی مشیئت سے واقع ہوتے ہیں۔

واضح ہو کہ یہ تمام جملے، فرقۂ ضالہ قدریہ پر رد ہیں، جن کا عقیدہ یہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود ہی خالق ہیں، اسی طرح بندوں کے افعال کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے اندر ہی سرزد ہو رہے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر نہیں ہیں۔ اب بندے چونکہ اپنے افعال کے خود ہی خالق ہیں لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہیں۔ قدریہ کے ان معتقدات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر شئی کا خالق تسلیم نہیں کرتے۔ (والعیاذ باللہ) حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا بھی خالق ہے اور ان کے تمام افعال کا بھی، وہ تمام ذوات کا خالق ہے، اور تمام صفات کا بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: [قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَالْوَاحِدُ الْقَهَّارُ][1] ترجمہ: کہہ دیجئے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے وہ اکیلا ہے اور زبردست غالب ہے۔ نیز فرمایا: [اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡوَّهُوَ عَلٰي كُلِّ

شَيْءٍ وَّكِيْلٌ][2] ترجمہ: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ نیز فرمایا: [وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ][3] ترجمہ: حالانکہ تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔

فرقۂ جبریہ پر رد

قدریہ (منکرینِ تقدیر) کے مقابلے میں ایک اور گمراہ فرقہ ہے جو جبریہ کے نام سے موسوم ہے، انہوں نے بندوں سے ہر قسم کا اختیار سلب کر دیا ہے، اور انہیں ہر قسم کی مشیئت وارادہ سے عاری قرار دیا ہے، یہ لوگ اختیاری اور اضطراری تمام حرکات میں برابری کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بندوں کا ہر فعل یا حرکت، درختوں کی حرکت کی طرح ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ بندوں کا کھانا، پینا یا نماز، روزہ ایسے اعمال ان کے ارادے سے صادر نہیں ہوتے، بلکہ وہ ان اعمال کے اصدار پر مجبور ہیں۔ جیسے ایک رعشہ کا مریض، اپنے ارادہ یا اختیار سے اپنے ہاتھ نہیں ہلاتا، بلکہ بہ سبب مرض مجبوراً اس کے ہاتھ ہلتے رہتے ہیں، لہذا (بقول ان کے) بندوں کے افعال وحرکات میں، ان کے کسب وارادہ کو کوئی دخل نہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ پھر انبیاء ومرسلین کی بعثت کا کیا فائدہ رہا؟ کتب سماوی کے نزول کی کیا حکمت رہی؟ شرعی ادلہ سے انتہائی قطعیت کے ساتھ یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ عمل کے تعلق سے بندے کو ایک طرح کا ارادہ ومشیئت حاصل ہے چنانچہ وہ اپنے ہر نیک عمل پر قابلِ تعریف بھی ہے اور مستحقِ اجر وثواب بھی جبکہ ہر بُرے فعل پر قابلِ مذمت بھی ہے، اور مستحقِ عذاب بھی۔ اس کے تمام اختیاری افعال، باعتبارِ فعل وکسب اسی کی طرف منسوب ہوں گے، جبکہ اس کی تمام اضطراری حرکات، مریضِ رعشہ کی حرکت کی مانند قرار پائیں گے وہ اضطراری حرکت بندے کا فعل نہیں قرار پائی گی، بلکہ اس کی صفت (کیفیت یا حالت) شمار ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ نحو فاعل کی تعریف یوں کرتے ہیں ''هو اسم مرفوع يدل على من حصل منه الحدث أو قام به'' یعنی: فاعل ایک ایسا اسم ہے جو مرفوع ہوتا ہے، اور ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس سے یا تو کوئی کام صادر ہوتا ہے، یا کوئی کام اسکے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ کام کے صادر ہونے سے ان کی مراد بندے کے وہ اختیاری افعال ہیں جو اس کی مشیئت وارادہ سے صادر ہوتے ہیں (جیسے نماز، روزہ، کھانا، پینا وغیرہ) اور کام کے اس کے ساتھ قائم ہونے سے ان کی مراد ایسے کام جس میں اس کی مشیئت وارادہ کو کوئی دخل نہیں، جیسے موت، مرض اور ارتعاش وغیرہ۔ چنانچہ جب یوں کہا جائے گا کہ: زید نے کھایا، پیا، نماز پڑھی یا روزہ رکھا، تو ان تمام مثالوں میں زید ایک ایسا فاعل ہے جس کے اختیار سے کھانا، پینا، نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا ایسے اعمال صادر ہو رہے ہیں۔ اور جب یوں کہا جائے کہ: زید بیمار ہوا، یا زید فوت ہوا، یا زید کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہوا، تو ان تمام مثالوں میں جو افعال

(بیمار ہونا، مرنا وغیرہ) مذکور ہیں وہ زید کا فعل قرار نہیں پائیں گے۔ بلکہ ایسے اوصاف یا احوال قرار پائیں گے جو زید کے ساتھ (بامر اللہ) لاحق و قائم ہوئے (جن میں زید کے ارادہ و مشیئت کو کوئی دخل نہیں ہے۔)

اہل سنت کا مسلک اعتدال پر قائم ہے

واضح ہو کہ افعالِ عباد کے تعلق سے اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ، جبریہ اور قدریہ کے گمراہ عقیدوں کے بین بین انتہائی اعتدال پر قائم ہے۔ چنانچہ قدریہ تو تقدیر کے سراسر منکر ہیں، جبکہ جبریہ نے تقدیر کے اثبات میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ بندے سے ہر قسم کے ارادہ و مشیئت کو سلب کر کے رکھ دیا۔ جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ اعمال کے تعلق سے بندوں کیلئے مشیئت ثابت کرتے ہیں جبکہ اللہ رب العزت کیلئے مشیئت عامہ کے اثبات کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ بندوں کی مشیئت کو اس طرح تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی مشیئت اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: [وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ] [1] ترجمہ: اور تم بغیر پروردگارِ عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت و مرضی کے خلاف کوئی چیز واقع نہیں ہو سکتی۔ یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا وہ واقع ہو ہی نہیں سکتی، بخلاف قدریہ کے جو کہتے ہیں: بندے اپنے تمام افعال کے خود ہی خالق ہیں اور بخلاف جبریہ کے جو کہتے ہیں کہ بندے اس قدر مسلوبِ ارادہ و مشیئت ہیں کہ کسی بھی گناہ کے ارتکاب پر انہیں مستحقِ سزا قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اس گناہ کے ارتکاب میں ان کے ارادہ و مشیئت کو کوئی دخل نہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ہماری اس تقریر سے ایک سوال کا جواب آسان ہو گیا جو بار بار پوچھا جاتا ہے اور وہ یہ کہ: بندہ مسیر ہے یا مخیر؟ مخیر سے مراد: جسے اپنے افعال و اعمال پر اختیار حاصل ہو، اور مسیر سے مراد جو ہر قسم کے اختیار، ارادہ اور مشیئت سے عاری ہو، اور جس طرح چلایا جائے اسی طرح چلنے پر مجبور ہو۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نہ تو اسے مطلقاً مسیر کہا جا سکتا ہے نہ مطلقاً مخیر، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ وہ اس اعتبار سے مخیر ہے کہ اسے اپنے افعال کی انجام دہی میں مشیئت و ارادہ حاصل ہے، جس کی بناء پر اس کے تمام اعمال اس کا کسب قرار پاتے ہیں، چنانچہ وہ ہر نیک عمل پر مستحقِ ثواب، اور ہر بُرے عمل پر مستحقِ عذاب ہے۔ جبکہ بندہ اس اعتبار سے مسیر ہے کہ اس سے صادر ہونے والا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے خارج نہیں بلکہ ہر عمل اللہ تعالیٰ کی مشیئت، ارادہ، خلق اور ایجاد کے دائرہ میں ہے۔

ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی مشیئت وارادہ سے حاصل ہوتی ہے

قولہ: یضل من یشاءُ، فیخذلہ بعدلہ ، ویھدی من یشاء فیوفقہ بفضلہ، فکل میسر بتیسیرہ الی ماسبق من علمہ وقدرہ، من شقی او سعید ترجمہ: جسے چاہتا ہے، بتقاضۂ عدل گمراہ کرکے ذلتوں اور پستیوں میں پھینک دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، بتقاضۂ فضل ہدایت وتوفیق سے سرشار فرمادیتا ہے، لہذا ہر بدبخت یا نیک بخت پر، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور اس کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق اس کی توفیق سے (بُرا یا اچھا) راستہ آسان کردیا گیا۔

ہر ہدایت یافتہ انسان کیلئے ہدایت، اور گمراہ شخص کی گمراہی، اللہ تعالیٰ کی مشیئت وارادہ سے حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے سعادت اور ضلالت کا راستہ بیان فرمادیا ہے، اور انہیں زیورِ عقل سے بھی آراستہ فرمادیا جس کی مدد سے وہ نفع بخش اور نقصان دہ چیز میں تمیز کرسکیں، چنانچہ جو ہدایت کا انتخاب کرکے اس پر رواں دواں ہوگیا وہ ضرور بالضرور سعادتِ کاملہ کے عظیم صلہ کو حاصل کرلے گا۔ سعادت کی اس راہ پر چلنے میں بندے کی مشیئت وارادہ کو پورا پورا دخل حاصل ہے، اور بندے کی یہ مشیئت وارادہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی مشیئت وارادہ کے تابع ہے، اور ہدایت کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے بہ سبب ہے۔ اور جس شخص نے طریقِ ضلالت کا انتخاب کرکے اسے اپنالیا وہ یقینا شقاوت (بدبختی) کے گڑھے میں جاگرے گا، بندے کے گمراہی کے راستہ کو منتخب کرنے میں اس کی مشیئت وارادہ کو مکمل دخل حاصل ہے، اور بندے کی یہ مشیئت وارادہ، اللہ تعالیٰ کی مشیئت وارادہ کے تابع ہے، اور شقاوت کا یہ معاملہ عدل کے بہ سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ۔ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ] [1] ترجمہ: کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے)۔ ہم نے دکھا دیئے اس کو دونوں راستے۔ نیز فرمایا: [اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا] [2] ترجمہ: ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا۔

نیز فرمایا: [مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا] [1] ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے وہ راہِ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کردے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز یار ہنما پاسکیں۔

ہدایتِ ارشاد اور ہدایتِ توفیق میں فرق

ہدایت کی دو قسمیں ہیں: ایک ہدایتِ ارشاد، دوسری ہدایتِ توفیق ہدایتِ ارشاد: (جس سے مراد راہِ ہدایت کی دعوت دینا ہے) سب کو حاصل ہے؛ کیونکہ دین کی دعوت عمومیت کے ساتھ سب ہی کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: [وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ] [2] ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ میں اسی قسم یعنی ہدایتِ ارشاد کا ذکر ہے۔ ہدایتِ توفیق: (جس سے مراد راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق کا میسر آجانا ہے) اس شخص کو حاصل ہو سکتی ہے، جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان میں اسی قسم کا ذکر ہے: [اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ] [3] ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ان دونوں قسموں کو اس آیتِ کریمہ میں جمع فرمادیا ہے: [وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ] [1] ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہِ راست کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: [وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ] میں دعوتِ ارشاد کا ذکر ہے؛ کیونکہ دعوت کے مخاطب تمام لوگ ہیں۔ ارادۂ عموم کی وجہ سے مفعول محذوف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ راہ نمائی تو سب کی کردی گئی ہے، مگر قبول کون کرتا ہے؟۔۔۔ وہی، جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیقِ ہدایت میسر ہو۔ اس بات کا ذکر اس آیتِ کریمہ کے دوسرے حصے میں فرمادیا: [وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ] یہاں مفعول ظاہر کردیا تاکہ خصوص کا فائدہ حاصل ہو جائے، مقصد یہ ہے کہ ہدایت کی توفیق ان مخصوص افراد کو ملتی ہے جن کی ہدایت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

معتزلہ کے رد میں دو حکایتیں

ہمارے شیخ محمد الأمین الشنقیطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''رفع ایھام الاضطراب عن آیات الکتاب'' کے اندر سورۃ الشمس کی تفسیر میں دو حکایتیں ذکر فرمائی ہیں، جن سے تقدیر کے مسئلہ میں معتزلہ کے مذہب کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پہلی حکایت: فرماتے ہیں: جب امام ابو اسحاق الاسفرانی نے معتزلی عالم عبدالجبار کے ساتھ مناظرہ کیا، تو اس موقع پر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔ عبدالجبار معتزلی نے کہا: پاک ہے وہ ذات جو گناہوں سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مثلاً: چوری اور زنا وغیرہ بندے کی مشیئت سے سرزد ہوتے ہیں، ان کے سرزد ہونے میں اللہ تعالیٰ کی

مشیئت کو کوئی دخل حاصل نہیں، کیونکہ ان کے زعم میں اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے کہیں بلند و بالا ہے کہ وہ گناہوں اور معصیتوں کی مشیئت فرمائے۔ابو اسحاق نے فرمایا: یہ کلمہ حق ہے مگر مراد باطل ہے۔ پھر فرمایا: پاک ہے وہ ذات جس کی بادشاہت میں صرف وہی کچھ ہو رہا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ عبدالجبار نے کہا: اگر وہ گناہوں اور معصیتوں کا خالق ہے تو پھر ان کے ارتکاب پر مجھے عذاب کیوں دے گا؟ ابو اسحاق نے فرمایا: اگر گناہ کا صدور (اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے برخلاف) تمہاری مشیئت سے ہے، تو پھر تمہاری مشیئت اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر غالب آگئی، اور اللہ تعالیٰ کی مشیئت تمہاری مشیئت کے سامنے بے بس ہو گئی، تو کیا تم رب ہو اور وہ بندہ؟۔ عبدالجبار نے کہا: بتاؤ، اللہ تعالیٰ مجھے دعوت تو ہدایت کی دے لیکن اپنی مشیئت سے میرے لئے فیصلہ گمراہی کا فرما دے، تو یہ اس کی میرے ساتھ بھلائی ہے یا بُرائی؟ ابو اسحاق نے فرمایا: جس ہدایت کو اس نے تجھ سے منع فرما دیا، اگر تو اس کا مالک ہے تو پھر یقیناً اس نے بُرا کیا، اور اگر اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اس کا عطا فرما دینا فضل ہے اور منع فرما دینا عدل ہے۔اس پر عبدالجبار مبہوت اور لاجواب ہو گیا۔ تمام حاضرین عش عش کر اٹھے، اور کہنے لگے، واللہ! اس بات کا کوئی دوسرا جواب ممکن ہی نہیں۔ دوسری حکایت: ایک اعرابی، عمرو بن عبید کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا: میری گدھی چوری ہو گئی ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے لوٹا دے۔ عمرو بن عبید نے یوں دعا کی: اے اللہ! اس شخص کی گدھی چرالی گی ہے، اور اس کے چرائے جانے میں تیر مرضی اور چاہت شامل نہیں، لہذا یہ گدھی اس شخص کو واپس لوٹا دے۔ اعرابی نے کہا: اپنی یہ خبیث دعا بند کر دے، اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہی تھا کہ گدھی چوری نہ ہو، مگر پھر بھی چوری ہو گئی، تو پھر ہو سکتا ہے کہ اس کا ارادہ تو لوٹانے کا ہو، مگر وہ لوٹائی نہ جا سکے۔